© rasailojaraid.com



جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب

# سر سید علماء کشمکش اور انگریزی تعلیم

سر سید کے بارے میں ان کے مکتب فکر اور ایک مخصوص لابی نے ہمیشہ یہ جھوٹا پروپیگنڈہ پھیلا رکھا ہے کہ سر سید کے ساتھ علماء کو بغیر کسی حجت ودلیل اور کسی معقول وجہ کے ان کے ساتھ بغض تھا اور علماء نے انکے بارے میں کفر کے فتوے جاری کیے۔ اور سر سید کی بے جا مخالفت کی۔ جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب کے اس اہم مضمون میں بہت سے اہم اور نئے حقائق منظر عام پر لائے گئے ہیں۔ مثلاً سر سید پر کفر کے فتوے اور ان کے مدرسے (مدرسۃ العلوم) کی مخالفت علماء سے قبل جدید تعلیمی یافتہ طبقے اور خصوصاً انگریزی حکومت کے نمک خواروں اور اس کے اہم عہدیداروں نے کی۔ ان میں سر فہرست ڈپٹی کلکٹر امداد العلی کان پور اور علی بخش سب جج گورکھ پور تھے۔ انہوں نے نہ صرف سر سید کے مدرسے کی بھرپور مخالفت کی بلکہ ان کے عقائد، نظریات کے متعلق سخت فتوے بھی جاری کیے اسی طرح سر سید کے خصوصی معاون نواب محسن الملک، اور نواب وقار الملک نے بھی انکی بھرپور مخالفت کی۔ لیکن ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے صرف علماء کو ہی ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ قارئین "الحق" کے معلومات کیلئے یہ گرانقدر مضمون پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

سر سید احمد خان نے اپنی تصنیفی زندگی کی ابتداء میں متعدد دینی رسائل تصنیف کئے جنہیں مخصوص حلقوں میں قبول عام کا درجہ حاصل ہوا۔ انیسویں صدی کے ساتویں عشرے کے شروع میں جب ان کی مذہب سے متعلق جدید نظریات پر مبنی تحریریں منظر عام پر آئیں تو علماء ان کے مخالف ہو گئے اور ان کی تحریروں کے رد میں رسائل شائع ہونے لگے۔ جب انہوں نے رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا اور ان کی سرپرستی میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تو ان کی مخالفت عروج پر جا پہنچی۔ ان کے خلاف کفر کے فتوے جاری ہوئے اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک متنازعہ فیہ شخصیت بن گئے۔ بحث مباحث کا یہ سلسلہ مدرسۃ العلوم کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ جاری رہا۔ زمانہ کروٹ لے چکا تھا لہذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفتوں کے طوفان کم ہوتے گئے۔ ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نے جنم لیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو گذشتہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



واقعات کے پس منظر سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں، یا کر دی گئی تھیں۔ انگریزوں اور ان کے کارندوں کا تعلیمی نصاب جو کچھ سکھاتا رہا، ہم اسے من و عن قبول کرتے رہے اور خود کبھی تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی۔ نتیجتاً حقائق مسخ ہو کر رہ گئے۔

سر سید اور علماء میں باہمی کشمکش کا اصل پس منظر کیا تھا؟ تعلیم کے معاملے میں سر سید کی جدت پسندی، علماء کی انگریزی تعلیم سے نفرت، انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے سر سید کی کوششیں یا کچھ اور؟ اس بارے میں معروف ماہر تعلیم سید عبداللہ تحریر کرتے ہیں:

"تعلیم میں سر سید کے خیالات تجدد کی ہمہ گیر شہرت کے باوجود کچھ زیادہ جدید نہ تھے۔ سائنس کی ترغیب اور انگریزی زبان کی تعلیم اگرچہ اس زمانے کے اعتبار سے بڑے انقلاب انگیز خیالات تھے۔ مگر حق یہ ہے کہ وہ تعلیم کے معاملے میں اتنے انقلابی نہ تھے جتنا ان کو سمجھ لیا گیا ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سر سید انگریزی تعلیم پھیلانا چاہتے تھے اور ملک کے بعض دوسرے عناصر خصوصاً علماء، انگریزی تعلیم کو مذہباً ناجائز سمجھتے تھے مگر یہ رائے منصفانہ نہیں۔ انصاف یہ ہے کہ اس معاملے میں علماء کو اختلاف سر سید کے مذہبی عقائد سے یا پھر انگریزی تمدن سے تھا۔ ان کو انگریزی تعلیم سے اختلاف نہ تھا، لیکن چونکہ سر سید انگریزی تعلیم پھیلانے والے تھے اس لئے یہ معاملہ الجھ کر رہ گیا اور بہت سے مغالطے پیدا ہو گئے"۔

مشہور مصنف شیخ محمد اکرام نے بھی اس سوال کے جواب میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اپنی تحقیق کا لُب لُباب یوں بیان کرتے ہیں: "اس معمہ کے حل کرنے کے لئے ان مضامین اور فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہیے جو سر سید کی مخالفت اور ان کی تکفیر میں شائع ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ کالج کی مخالفت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں مغربی علوم پڑھائے جاتے تھے بلکہ اس لئے کہ اس کی بنا میں سر سید کا ہاتھ تھا اور سر سید اپنی کتب اور تہذیب الاخلاق میں معاشرتی اور مذہبی مسائل کے متعلق ایسے عقائد کا اظہار کر رہے تھے جنہیں عام مسلمان اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ علی گڑھ کالج کے متعلق سے سخت مضامین اور درشت سے درشت فتاویٰ میں یہ نہیں لکھا کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے، بلکہ یہی ہوتا تھا کہ جس شخص کے عقائد



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سر سید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرنا چاہے اس کی اعانت جائز نہیں۔
شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ سر سید اپنے مدرسے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کریں گے جن کا اظہار وہ اپنے رسائل و کتب میں کر رہے تھے۔ سر سید نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی تصانیف میں کئی ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے مخالف بلکہ موافق بھی بد ظن ہو جاتے تھے۔ "سر سید مختلف ادوار میں مختلف عقائد کے حامل رہے۔ اپنی ایک تحریر میں پہلے وہ اس زمانے کی بات کرتے ہیں جب "لوگوں کی دیکھا دیکھی مولود کی مجلس کا دل میں بڑا شوق تھا، ہر مہینے کی دوازدہم کو لوگ جمع ہوتے تھے، سوا لاکھ دفعہ چھوہارے کی گھٹلیوں پر درود پڑھا جاتا تھا اور ختم کے بعد شرینی بٹتی تھی اور ہم لوگ بہت نیک اور محبّ رسول ﷺ سمجھتے تھے حالانکہ اس زمانہ میں ہم نے نہ رسول ﷺ کو سمجھا تھا اور نہ رسول ﷺ کی محبت کو"۔ پھر وہ زمانہ بھی آیا جب سر سید کے بقول :
"مذہبی مسائل میں زیادہ ترپختگی ہوئی اور ان عقائد کی جانب میلان ہوا جس کو وہابیت کہتے ہیں تو مجلس مولود کو بدعت سمجھا"۔ آخری دور کا ذکر کرتے ہوئے وہ تحریر کرتے ہیں کہ "اب شاید معتزلیت زیادہ چڑ گئی ہے جو یہ خیال ہے کہ ایک کے فعل کا، خواہ وہ اس قسم سے ہو جس کو عبادت بدنی کہتے ہیں اور خواہ اس قسم سے ہو جس کو عبادت مالی کہتے ہیں، دوسرے پر خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کچھ اثر نہیں ہوتا۔ قرآن و فاتحہ پڑھ کر ثواب بخشنا یا ملّانوں کو بغرض ایصال ثواب کھانا کھلانا بالکل لاحاصل محض اور بہ ہمہ وجوہ ہندووں کے اس فعل کے مشابہ ہے جو اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچانے کے لئے برہموں سے کتھا اور منتر پڑھواتے ہیں اور برہموں کو جماتے ہیں اور گیا و پراگ میں جا کر پنڈ دان کرتے ہیں۔

"سر سید کے مذہبی خیالات میں جدید رجحانات کا پہلا عکس ہمیں ان کی تصنیف "تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل" میں ملتا ہے۔ اس کے متعلق وہ خود رقم طراز ہیں کہ "میری تفسیر پڑھنے والا جا بجا میری تفسیر میں پائے گا کہ میں کچھ پابند نہیں رہا ہوں ان قولوں کا جن کو یہودی عالم یا عیسائی عالم یا مسلمان عالم بلا تحقیقات بطور باپ دادا کے تبرک کے مانتے چلے آئے ہیں۔" اس کے بعد جب انہوں نے "احکام طعام اہل کتاب" لکھی اور اس میں ذبیحہ کے متعلق اس قسم کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خیالات کا اظہار کیا کہ "اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا ذکوٰۃ سمجھتے ہوں تو ہم مسلمانوں کو اس کا کھانا درست ہے" تو مسلمان ان کے سخت خلاف ہو گئے۔ سر سید نے ان خیالات کا نہ صرف اظہار ہی کیا بلکہ سفر لندن کے حالات میں ان پر عمل کرنے کا دعویٰ بھی کیا اور جھٹکے اور گردن توڑ کر مارے گئے پرند جانوروں کے گوشت کے بارے میں یہ لکھا کہ "میں نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان دونوں قسم کے گوشتوں کے کھانے میں کچھ تامل نہیں کیا اور خوب مزے دار گوشت، مٹن (Mutton) اور بیف (Beef) اور مُرغ و کبوتر کے کھائے" تو ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی اور ان کے اس عمل کو ان کے کافر ہو جانے کا ثبوت قرار دیا گیا۔

بعد ازاں "خطبات الاحمدیہ" کی تصنیف کے دوران میں لندن سے اپنے عزیز ترین دوست نواب محسن الملک کو خط لکھتے ہوئے اس کے متعلق خود یہ پیش گوئی کی :

"میرے ہم قوم اس محنت کی، جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے، قدر نہیں کریں گے بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر بتلائیں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے"۔

لندن سے واپسی پر انہوں نے دو بڑے کام کئے۔ پہلا "تہذیب الاخلاق" کا اجراء اور دوسرا مدرسۃ العلوم مسلمانان کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا۔ "تہذیب الاخلاق" میں ان کے مضامین "جمہور سے اختلاف" کا سب سے بڑا ذریعہ بنے اور اس کے بعد وہ عمر بھر ان خیالات کی اشاعت میں مصروف رہے۔ شیخ محمد اکرامؒ نے اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا :

"ان کی سب سے زیادہ مخالفت اس وقت ہوئی جب انہوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ان مذہبی عقائد کا اظہار کیا جنہیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے، مثلاً شیطان، اجنہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار، حضرت عیسیٰؑ و حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سر سید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے۔" مولانا حالیؔ نے "حیات جاوید" میں ان مسائل کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں سر سید نے علماء سلف سے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اختلاف کیا ہے۔ یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جہاں انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے، وہ تحریر کرتے ہیں : " حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدھا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰ ؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلی کا ہونا، گوسالہ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا یا عیسیٰ ؑ کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ، ان کی تفسیر میں جو کچھ سر سید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔" سر سید نے مندرجہ بالا عقائد کا اظہار ایک صدی قبل کیا۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے کا مقام ہے کہ روشن خیالی کے موجودہ دور میں بھی جب کہ اس خطہ زمین کے مسلمان مغربی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں، اگر ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس پر کیا رد عمل ہو سکتا ہے؟ لہذا سر سید کے زمانے میں ان کی مخالفت ایک فطری امر تھا۔ سید عبداللہ کے مطابق " مجموعی لحاظ سے سر سید کے نام سے کوئی جماعت یا فرقہ منسوب نہیں مگر ان کا دینی نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کے عقائد کا جزو بن گیا ہے چنانچہ ان کے بہت سے خیالات جدید مدرسہ ہائے فکر خصوصاً احمدیت اور اہل قرآن وغیرہ کے نظام میں جگہ پا چکے ہیں"۔ اس بارے میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں : " مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ کی تفسیر قرآن بیشتر سر سید ہی کی ترجمانی ہے۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق سر سید کے جو عقائد تھے وہ مرزا غلام احمد نے اختیار کر لئے۔" مخالفین کے ذکر سے قطع نظر خود سر سید کے دست راست نواب محسن الملک کی مخالفت کا حال ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے : " یہ سچ ہے کہ ہمارے مسلمہ عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو انہوں نے شدومد کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علماء کو ان کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا اور بعض نے یہاں تک کہ کفر کے فتوے بھی دے دیئے اور ان کو کیا کہوں، خود مجھ کو بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف کرنا پڑا، بحث ومباحثے رہے۔" اسکے علاوہ ایک اور لیکچر میں انہوں نے بیان کیا : " شاید سب سے پہلے میں نے ہی انکے کفر کا فتویٰ دیا تھا، ان کو چھپا پادری کہا"۔ مولانا حالی سر سید کے اتنے عظیم معتقد تھے کہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جب انہوں نے سر سید کی سوانح "حیات جاوید" کے نام سے لکھی تو شبلی نعمانی نے اسے "مدلل مداحی" قرار دیا۔ اور دیگر نقادوں نے بھی اس کتاب میں موافقانہ مبالغہ آرائی کی شکایت کی۔ سر سید سے زبردست عقیدت کے باوجود مولانا حالی نے خود کئی مقامات پر ان سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف اور عقیدت کا ملا جلا اظہار ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انہوں نے سر سید کی تفسیر القرآن کے متعلق رائے دی ہے کہ "سر سید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں، بایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں"۔ اسی انداز میں ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں :" بہت سے مقامات ان کی تفسیر میں ایسے بھی موجود ہیں جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ایسے عالی دماغ شخص کو کیونکر ایسی تاویلات باردہ پر اطمینان ہو گیا اور کیونکر ایسی فاحش غلطیاں ان کے قلم سے سرزد ہوئی ہیں"۔ ایک اور موقع پر بیان کرتے ہیں :"آخر عمر میں سر سید کی خود رائی یا جو وثوق کہ ان کو اپنی رایوں پر تھا وہ حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا تھا۔ بعض آیات قرآنی کے وہ ایسے معنی بیان کرتے تھے جن کو سن کر تعجب ہوتا تھا کہ کیونکر ایسا عالی دماغ آدمی ان کمزور اور بودی تاویلوں کو صحیح سمجھتا ہے۔ ہرچند کہ ان کے دوست ان تاویلوں پر ہنستے تھے مگر وہ کس طرح اپنی رائے سے رجوع نہ کرتے تھے"۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سر سید کے بہترین رفقائے کار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ علی گڑھ تحریک کا ایک ستون تھے۔ سر سید نے کئی موقعوں پر ان کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سر سید کے ہم سوار ہونے کے باعث مخالف اخباروں میں انہیں "نیچری بھانڈ" کا خطاب دیا گیا اور سر سید کے مخالفین سے لاہور کی عدالتوں میں ان کی مقدمہ بازی بھی ہوتی رہی۔ انہوں نے خود قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ سر سید کی تفسیر پر وہ ان الفاظ میں رائے زنی کرتے ہیں :"مجھ کو ان کے معتقدات باسرہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خان صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر "دیوان حافظ" کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سید احمد خاں صاحب نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنبا



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کئے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے)' قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل ...... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبریل حامل وحی کا' نہ رسول خدا کا' نہ قرآن کے کاتب و مدون کا' نہ اصحاب کا' نہ تابعین کا' نہ تبع تابعین کا' نہ جمہور مسلمین کا'"۔ جب مدرسۃ العلوم کے لئے سر سید کی نظر انتخاب شبلی نعمانی پر پڑی تو ان کی شرکت علی گڑھ کی تعلیمی و علمی سرگرمیوں میں نمایاں اضافہ کا باعث ہوئی۔ ان دو شخصیتوں کی طویل رفاقت بھی ان کے مابین فکری اختلاف کو کم نہ کر سکی۔ اس کا ذکر خود شبلی نے سر سید کی وفات پر ایک مضمون میں کیا اور لکھا: "زمانہ جانتا ہے کہ مجھ کو سر سید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا اور میں ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا۔"

سر سید کے ایک قریبی دوست اور رفیق نواب وقار الملک بھی ان سے اپنے مذہبی اختلاف کا اظہار کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ سر سید نے ان کے نام کسی خط میں اس قسم کا تاثر دیا کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں سراسر ہی حیلہ بھرا پڑا ہے۔ جواب میں انہوں نے نہایت سخت رد عمل کا اظہار کیا اور کہا: "فقہ حنفیہ کی وہ کتابیں جن میں سراسر حیلہ ہی بھرا پڑا ہے، میں نے نہیں پڑھیں۔ پس مجھے اس کا طعنہ فضول ہے۔ اور آج کل اس غریب فقہ کا حلیہ کس شمار قطار میں ہے جہاں قانون میں ایسی ایسی باریکیاں موجود ہوں اور مقنیان زمانہ میں ایسے ایسے عالی دماغ ہوں...... اگر آپ کے خط میں امام ابو حنیفہؒ پر طعن و تشنیع نہ ہوتی اور آپ ان کو ضمناً حیلہ باز نہ کہتے تو میں اس خاص جملے کے جواب ہی کو قلم انداز کر جاتا لیکن اس بات کی آپ مجھ سے توقع چھوڑ دیں کہ میں اپنے ان پیشوایان دین پر، جنہوں نے نہایت نیک نیتی سے آپ ہی کی مانند اپنی تمام عمر اُمت اسلامیہ کی درستی احوال میں صرف کی ہو، تبرا سننے پر راضی ہوں۔" تہذیب الاخلاق کے مضامین مدرسۃ العلوم کے قیام میں کیا منفی اثر ڈال رہے تھے، اس کا پتہ نواب وقار الملک کے اس خط سے ملتا ہے جو انہوں نے علی گڑھ سے سر سید کے نام ۱۲ اگست ۱۸۷۲ء کو لکھا۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے: "یہاں کے لوگوں کی رائے سے میں آپ کو صحیح صحیح اطلاق دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس مدرسہ کی طرف سے تو اس وقت تک کسی کو شکایت نہیں ہے، ہاں، تہذیب الاخلاق کے مضامین تازہ کے سبب سے البتہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لوگوں کو ایک بد گمانی ہے۔ لیکن وہ بد گمانی آپ کی ذات کے ساتھ ہے، نہ اس مدرسہ کی نسبت...... جب تک اس مدرسہ کے لئے پورا چندہ نہ ہو جائے تب تک تہذیب الاخلاق کے لئے بے لگام مضمونوں کی فی الجملہ روک تھام ضروری ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ مضامین ایک قومی مزاحمت کرتے ہیں اس چندہ کے واسطے اور کیا آپ کو ایسے مضامین کے سوا اور کچھ مضمون ہی نہیں ملتا؟"۔ بعد میں سر سید نے خود ایک تقریر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور کہا : "جس زمانہ میں اس کالج کی تدبیریں شروع ہوئیں تو ہر جگہ کے لوگوں نے اس کو پسند کیا اور ہر ملک سے اس کی تائید ہوئی اور ہوتی چلتی جاتی ہے مگر بعض مذہبی مسائل جو میں نے بیان کئے ان کے لحاظ سے البتہ لوگوں کو کچھ کچھ شبہ ہوا اور فتور پڑا"۔ شروع شروع میں جب یہ شبہات بڑھے تو بد گمانیوں نے جنم لیا جو آہستہ آہستہ صریح مخالفت میں تبدیل ہوتی گئیں۔ مولانا حالیؔ ان کی توضیح کرتے لکھتے ہیں : " ایک مدت تک سر سید کی نسبت لوگوں کو طرح طرح کی بد گمانیاں رہیں۔ ہزاروں آدمی یہ سمجھتے تھے کہ انگریزی تعلیم کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائی یا لامذہب بنانا منظور ہے اور ہزاروں یہ خیال کرتے تھے کہ مدرسہ قوم کے فائدہ کے لئے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو۔ اگرچہ اس خیال کا دوسرا جز صحیح تھا مگر پہلا جز اس لئے غلط تھا کہ حالت موجودہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی اسی بات پر موقوف ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو "۔ پہلی بد گمانی غالبًا عوام کے ذہنوں میں دہلی کالج کے استاد ماسٹر رام چندر کے عیسائی ہونے کے واقعہ کے موجود ہونے کی بناء پر ہوگی جو ۱۸۵۲ء میں پیش آیا تھا۔ پھر علوم جدیدہ حاصل کرنے والوں کا وہ رویہ بھی ان کے پیش نظر ہوگا جس کا ذکر خود سر سید اپنی ایک تحریر میں اس طرح کرتے ہیں : "اب تو گویا بالاتفاق تمام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقائد مذہبی میں سست ہو جاتے ہیں بلکہ ان کو لغو سمجھنے لگتے ہیں اور لامذہب ہو جاتے ہیں اور اسی سبب سے مسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھانا نہیں چاہتے۔ مسلمانوں پر کیا موقوف ہے 'انگریز بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو حال میں انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہت لکھی ہے، یہ فقرہ مندرجہ فرمایا ہے : "کوئی نوجوان، خواہ ہندو خواہ مسلمان، ایسا نہیں ہے جو ارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پائے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے بداعتقاد ہو نا نہ سیکھے۔ یشیا کے شاداب اور تروتازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی سچائی کے قریب آتے ہیں، و مثل برف کے ہے تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں"۔ آمنا و صدقنا' یہ قول ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا لکل سچ اور بتمامہ سچ ہے"۔ دوسری "بدگمانی" کے متعلق یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ سرسید کی الفت میں وہ علماء پیش پیش ہوں گے جو انگریزی سلطنت کا استحکام نہیں چاہتے تھے۔ شیخ محمد اکرم س خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "جن لوگوں نے سرسید کے حالات بغور نہیں پڑھے وہ مجھتے ہیں کہ سرسید کی مخالفت ان دقیانوسی علماء نے کی جو ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور ر کار انگلشیہ اور انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے اور دونوں معزز سرکاری ملازم"۔ مولانا حالی ان کا تعارف ن الفاظ میں کرواتے ہیں : " مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے جو باوجود ذی جاہت اور ذی رعب ہونے کے علوم دینیہ سے بھی آشنا تھے، ایک مولوی امداد العلی ڈپٹی کلکٹر کان ر اور دوسرے مولوی علی بخش خاں سب جج گورکھ پور۔ اگرچہ یہ دونوں صاحب مذہبی عقائد خیال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے، یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی، ر یہ ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال عادی معلوم ہوتا تھا۔ باوجود اس کے درسۃ العلوم کی مخالفت پر دونوں ہم زبان اور متفق الکلمہ تھے، یہاں تک کہ ہندوستان میں جس قدر خالفتیں اطراف و جوانب سے ہوئیں ان کا منبع ان ہی دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں۔"

ن میں سے پہلے بزرگ کے متعلق ان کے خیالات سرسید کی زبانی ملاحظہ فرمائیے :

"مولوی سید امداد العلی خاں بہادر، جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ فسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں، مدرسۃ العلوم میں ان کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب ان سے ملتے ہیں مدرسۃ علوم میں شریک ہونے کی التجاء کرتے ہیں۔ دربار دہلی میں بھی ہم نے ان سے التجا کی۔ انہوں نے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے: اول یہ کہ "تہذیب الاخلاق" کا چھاپنا بند کر دیا اس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقائد واقوال سے جو بر خلاف علماء متقدمین ہیں، توبہ کرو۔" دوسرے بزرگ بھی سر سید کی ذات یا انگریزی تعلیم سے نہیں بلکہ ان کے مذہبی خیالات سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مولوی علی بخش خاں نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "مجھ کو اس وقت بلکہ مدت سے سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں سید احمد خاں صاحب ایک شخص لائق اور نامور اور معزز اور ذی عقل پیدا ہوئے اور ترقی قومی پر آمادہ ہونا ان کا ارادہ ظاہر کیا گیا مگر اپنی خود رائی سے مذہبی دست اندازی وانقلاب دین ایسا ان کی طبیعت میں جم گیا کہ اصلی غرض فوت ہوگئی اور تمام قوم کو ان سے نفرت پیدا ہوئی ہے۔ مجھ کو بھی جس قدر مخالفت ہے ان کے خیالات مذہبی سے ہے، نہ ان کی ذات خاص یا تعلیم علوم جدیدہ سے"۔

نواب وقار الملک نے ایک موقع پر مدرسۃ العلوم کے بارے میں مولوی علی بخش خاں کی معترفانہ گفتگو کا جو خلاصہ بیان کیا ہے اس کے مطابق مولوی صاحب نے یہ بیان کیا کہ "میں صرف اس وجہ سے اب تک مدرسۃ العلوم میں شریک نہیں ہوا کہ مجھ کو اس کے طالب علموں کی مذہبی تعلیم کی طرف سے کبھی اطمینان نہیں ہوا اور ہمیشہ اس بات کا خوف رہا کہ جس قسم کے عقائد سید احمد خاں صاحب کے ہیں ویسے عقائد کی تعلیم اس مدرسہ میں طالب علموں کو بھی ہوگی"۔ اس بحث میں نواب وقار الملک نے سر سید کے بعض رفقائے کار کے رویے کا جو ذکر کیا اس سے متذکرہ صورتحال پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ "کمیٹی خزنۃ البضاعۃ میں ایسے ایسے ممبر بھی ہیں جو شاید سید احمد خاں صاحب کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی بھی نہ پئیں اور آج تک انہوں نے ہمیشہ سید احمد خاں صاحب کی باتوں کو محض لغو سمجھا ہے اور کبھی ان کی بات کا جواب تک نہیں دیا"۔

یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا سر سید کے مخالف علماء سرکار انگریزی کے "استحکام" کے خلاف تھے یا حامی، کیونکہ سرکاری ملازمت میں رہ کر بھی اندرونی طور پر حکومت کا مخالف ہوا جا سکتا ہے۔ سر سید اپنے مضامین میں "قومی ہمدردی" اور "قومی عزت" کے الفاظ اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ پہلے بزرگ یعنی سید امداد العلی کو انہوں نے ان باتوں کا مخالف قرار دیا۔ اس کی تردید میں سید امداد العلی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ثبوت کے طور پر اپنی "خیر خواہی سرکار" کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: "جس خیر خواہ سرکار کی نسبت یہ سی ایس آئی سید احمد خاں یہ ظن رکھتا ہے کہ وہ ہمدردی کو کفر خیال کرتا ہے، اس تحریر کا محاکمہ میں حکام وقت اور جملہ مسلمانان واہل ہنود پر چھوڑتا ہوں کہ آیا جو شخص سینہ سپر ہو کر' بظر نمک حلالی اپنے آقا کے، سینہ پر گولی باغیوں کی کھائے اور ہزار ہا روپیہ کا مال ان سے چھڑائے اور وہ گولی چھ مہینے بعد ڈاکٹر رے صاحب بہادر نکالیں کہ جس کا خون مسٹر لو صاحب، داماد جناب لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر اور جینٹ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ متھرا پونچھتے جائیں اور اس گولی کا نشان تصدیق ایک تمغہ ہمدردی اور نمک حلالی ملکہ معظّمہ کا جس بہادر کے سینہ پر موجود ہو تو انصاف فرمایا جائے کہ کیا وہ شخص ہمدردی کو کفر سمجھنے والا ہو سکتا ہے یا کہ جو اس کو ایسا لفظ کہے اور طعن دے، بے شک ایسا ہی شخص تمام دنیا کا جھوٹا، مفسد، حاسد اور خبیث النفس ہے"۔

"قومی عزت" کا یہ تمغہ حاصل کرنے والے سید امداد العلی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران میں انگریزوں کی حمایت میں اپنے ہم وطنوں کی گولی کھا کر زخمی ہوئے تھے۔ جاں نثاری کے اس عملی ثبوت کے بعد انہیں انگریزی حکومت کا مخالف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خود سر سید نے ایک تقریر میں بادشاہ وقت کی اطاعت کو فرض اور بزرگان دین کی تقلید بتاتے ہوئے ان کا تذکرہ طنزیہ انداز میں یوں کیا: "ہمارے دوست مولوی امداد العلی صاحب کے افعال بھی یہی ہیں۔ ایام عذر میں انہوں نے بہت کچھ خیر خواہی انگریزی گورنمنٹ کی کی ہے۔ میوٹنی میڈل (Mutiny Medal) جس میں جناب ملکہ معظّمہ وکٹوریا کی تصویر ہے ان کو ملا ہے۔ اس کو پہنتے ہیں اور نہایت فخر کرتے ہیں۔ ہر ایک انگریز سے نہایت عاجزی سے پیش آتے ہیں اور کبھی نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر صاحب کی مجلس میں ہوتے ہیں تو اپنا دل اور اپنی آنکھیں فرش راہ کرتے ہیں"۔

ان ہی بزرگ نے ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء سے سر سید کے خلاف تکفیر کے فتوے حاصل کر کے رسالہ "امداد الافاق برجم اہل النفاق، بجواب پرچہ تہذیب الاخلاق" کے آخر میں شائع کئے اور لکھا کہ "ہم اس کے مجوزہ خیالی مدرسہ کے لئے چندہ دینا اب معصیت قرار دیتے ہیں اور ساتھ مواہیر متعدد علماء کے فتویٰ جاری کرتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مذہب جب تک



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نیچر کے مطابق نہ ہو صحیح نہیں ہوتا اور ہمارا مروجہ اسلام غلط خیالات اجماع اور خطائی اجتہادات سے مملو ہے اور کہ احادیث و تفاسیر میں کوئی حدیث یا تفسیر بقول اس سی ایس آئی سید احمد خاں کے ہرگز درست نہیں ہے، ہم اس کو ٹھیک کافر جانتے ہیں ساتھ کاف، الف، فے اور رے موٹی کے یعنی کافر۔" مولانا حالیؔ ان فتووں کے مطالعہ کے بعد وضاحت کرتے ہیں :

"مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں کیا سنی کیا شیعہ 'کیا مقلد کیا غیر مقلد' کیا وہابی کیا بدعتی 'سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتووں پر مہریں یا دستخط ہیں اور خاص کر سنی مولویوں میں سے اکثر نے بہت شرح اور بسط کے ساتھ جواب لکھے ہیں۔"

مدرسۃ العلوم کے خلاف مولوی امداد العلی کے ایک استفتا کی عبارت درج ذیل ہے :

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ ان دنوں ایک شخص ان مدرسوں کو جن میں علوم دینی اور ان علوم کی جو علوم دین کی تائید میں ہیں، تعلیم ہوتے ہیں، جیسے مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور مدرسہ اسلامیہ علی گڑھ اور مدرسہ اسلامیہ کان پور، ان کو برا کہتا ہے اور ان کی ضد میں ایک مدرسہ اپنے طور پر تجویز کرنا چاہتا ہے اور اس شخص کا حال یہ ہے صدہا امور کو جو بموجب آیات اور احادیث اور روایات فقہیہ باتفاق اہل اسلام ناجائز ہیں، دین کے پیرائے میں رواج دیتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس شخص کے افعال واعتقاد پر اعتماد نہیں ہے۔ پس اس مدرسے کے لئے ایسا شخص جو اہل اسلام کے سلف وحال کے امور مذہبی میں مخالف ہے اور اپنے طور پر ایک مدرسہ ضد میں مدارس اسلامیہ قدیم وحال کے تجویز کرنا چاہتا ہے اور ان میں کچھ علوم دینیہ اور کچھ علوم مذہبی اپنے طور پر تعلیم کرانا اس کو منظور ہے، مسلمانوں کو ایسے مدرسے میں چندہ دینا درست ہے یا نہیں؟"۔ مولوی امداد العلی نے سرسید کے عقائد کے حوالے سے ان کے خلاف جو فتوے حاصل کئے ان میں سے علماء فرنگی محل کے مولوی عبدالحی لکھنوی کے فتویٰ کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیے :

"وجود شیطان اور اجنہ کا منصوص قطعی ہیں اور منکر اس کا شیطان ہے بلکہ اس سے بھی زائد، کیونکہ خود شیطان کو بھی اپنے وجود سے انکار نہیں ...... اور وجود آسمان منصوص قرآنی ہے، منکر اس کا مبتلائے وسواس شیطانی ہے۔ حرمت منخنقہ طیور منصوص کلام رب غفور ہے اور سلف سے تا خلف



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اتفاق اس پر ماثور ہے، انکار اس کا موجب گمراہی وفجور ہے...... جو شخص کہ اعتقادات اس کے فاسدہ ہیں، جو کہ سوال میں مسطور ہوئے ہیں، وہ شخص مخرب دین، ابلیس لعین کے وسوسہ سے صورت اسلام میں تخریب دین محمدی کی فکر میں ہے اور بنام تجدید مدرسئہ جدیدہ افساد شریعت اس کی منظور نظر ہے۔ جو چیزیں اس کے نزدیک موجب تہذیب ہیں، اہل سنت کے نزدیک باعث تخریب ہیں"۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :

' اگرچہ مولوی امداد العلی کی کوشش سر سید کے کفر وار تداد کے فتوے حاصل کرنے میں حد غایت کو پہنچ گئی تھی، دلی، رامپور، امروہہ، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بھوپال اور دیگر مقامات کے ساٹھ عالموں اور مولویوں اور واعظوں نے کفر کے فتوؤں پر مہریں اور دستخط کئے تھے گویا ہندوستان کے تمام اہل حل وعقد کا اس حکم پر اجماع ہو گیا تھا، صرف خدا کی طرف سے اس کی تصدیق اور تصویب باقی رہ گئی تھی سو مولوی علی بخش خاں نے یہ کمی بھی پوری کر دی۔ انہوں نے غالباً اسی غرض سے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور مکہ معظّمہ میں جاکر مذاہب اربعہ کے مفتیوں کے سامنے دو استفتے عربی زبان میں پیش کئے"۔ ایک استفتا کا ترجمہ درج ذیل ہے :"آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے باب میں جو ابلیس کے وجود خارجی سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے مراد قوت بہیمیہ ہے جو نفس انسان میں ہے اور ملائکہ کا سجدہ آدم کے واسطے حقیقی سجدہ نہ تھا بلکہ اس سے فتویٰ کا مطیع ہونا مراد ہے، اور ابیٰ واستکبر سے عدم اطاعت قوت بہیمیہ مراد ہے جو آدمی کی اغوا کرنے والی ہے نہ کہ حقیقی سجدہ سے انکار کرنا، اور کہتا ہے کہ افلاک اجسام نہیں ہیں بلکہ ان سے بسیط یا سبع سیارات مراد ہیں اور کہتا ہے کہ لونڈی غلام بنانا حرام ہو گیا ہے، آیہ اما منابعد واما فداء سے، اور یہ آیت نازل ہوئی ہے فتح مکہ میں اور یہ سب سے اخیر آیت ہے جو قیدیوں کے باب میں نازل ہوئی ہے اور کہتا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی تھی اور جسم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے جانے سے انکار کرتا ہے، اور انکار کرتا ہے شق صدر آنحضرت ﷺ کا، اور کہتا ہے کہ گلا گھونٹے ہوئے پرند حلال ہیں۔ پس ایسے شخص کے باب میں کیا حکم ہے ؟"۔ مکہ معظّمہ کے مذاہب اربعہ کے چاروں مفتیوں نے جو جوابات تحریر کئے ان کے مطابق "یہ شخص ضال اور مضل ہے بلکہ وہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے کہ مسلمانوں کے اغوا کا



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ارادہ رکھتا ہے اور اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنے سے بھی بڑھ کر ہے، خدا اس کو سمجھے۔ واجب ہے اولوالامر پر اس شخص سے انتقام لینا۔ اس کو تنبیہہ کرنی چاہئے اور اگر جاہل ہو تو سمجھانا چاہئیے۔ پھر اگر باز آئے تو بہتر ہے ورنہ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہئیے، اگر ولاۃ اسلام میں کوئی صاحب غیرت ہو، نہیں تو خدا اس کو سمجھے گا اور اس کی ضلالتوں اور رسوائیوں کی سزا دے گا"۔

اسی قسم کے استفتا کے جواب میں مدینہ منورہ کے شیخ محمد امین بالی مفتی نے جو تحریر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "جو کچھ در مختار اور اس کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کفر کی کسی جانب مائل ہو گیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا یا اباحی ہے کیونکہ منخنقہ کا کھانا مباح بتلاتا ہے۔ اور اہل مذہب (حنفی) کے بیانات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی، پس اگر اس شخص نے گرفتاری سے پہلے توبہ کر لی اور ان گمراہیوں سے رجوع کی اور توبہ کی علامتیں اس سے ظاہر ہو گئیں تو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس کا قتل واجب ہے دین کی حفاظت کے لئے اور ولاۃ امر پر واجب ہے کہ ایسا کریں"۔

دوسرے استفتا کی تلخیص ملاحظہ فرمایئے :"اس مدرسہ کے جواب میں آپ کیا فرماتے ہیں جس کے بانی کے ایسے اور ایسے عقائد اور اقوال ہوں اور جو یہ کہتا ہو کہ اہل اسلام کے اخلاق مہذب نہ ہوں گے جب تک وہ ستہ ضروریہ میں یورپ کے فلاسفہ جدید کی پیروی نہ کریں گے اور یہ کہ تمام علوم دینیہ قدیمہ جو مسلمانوں نے مدوّن کئے ہیں بے فائدہ ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے جس میں علوم جدیدہ کی تعلیم ہو اور اہل یورپ کے طریقہ پر ستہ ضروریہ سکھائے جائیں اور کتب دینیہ میں سے ایسے مضامین انتخاب کئے جائیں جو فلسفہ جدیدہ کے خلاف نہ ہوں۔ اور جب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ مدرسہ تو الحاد و زندقہ کا مدرسہ ہو گا اور اس کی اعانت سے انکار کیا تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں اپنے معتقدات سے تو رجوع نہ کروں گا اور اپنے ارادہ سے بھی باز نہ آؤں گا مگر مدرسہ کا جو نظام ہو گا وہ مجلس شوریٰ کی رائے کے موافق ہو گا حالانکہ اس مجلس کے اکثر رکن اسی کے گروہ کے ہیں اور ان کی رائیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور پچھلی پہلی کو منسوخ کرتی رہتی ہیں، پس ایسی حالت میں آیا مسلمانوں کو اس کی اعانت کرنی جائز ہے یا نہیں؟"۔ اس پر حرمین



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



شریفین کے مفتیوں کے جوابات کا ماحصل یہ ہے :

"یہ مدرسہ جس کو خدا برباد اور اس کے بانی کو ہلاک کرے اس کی اعانت جائز نہیں ہے اور اگر یہ مدرسہ بن کر تیار ہو جائے تو اس کو منہدم کرنا اور اس کے بانی سے اور اس کے مددگاروں سے سخت انتقام لینا واجب ہے اور ہر شخص پر جس میں حمیت اسلامی ہو واجب ہے اس مدرسہ کی مخالفت جہاں تک کہ قدرت ہو، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کا مخالف ہو"۔ سر سید نے اپنی ایک تحریر میں ان حصول فتاویٰ کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں :"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت ان کو حج اکبر نصیب ہوا...... سبحان اللہ، ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ہاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے"۔ تحریک علی گڑھ اور سر سید کے مذہبی افکار، جنہیں ان دنوں نیچریت کا نام دیا گیا تھا، کے عروج کے دور میں جب سید جمال الدین افغانی کو مصر سے اخراج کا حکم ملا تو وہ ہندوستان آکر ریاست حیدر آباد دکن میں قیام پزیر ہوئے۔ اس دوران میں انہوں نے ایک استفتا کے جواب میں ایک رسالہ "نیچریت" تحریر کیا جو عربی اور فارسی میں شائع ہوا۔ اسکے چند سال بعد، جب انہوں نے پیرس سے ایک اخبار "العروۃ الوثقی" جاری کرر کھا تھا، ایک مضمون بعنوان "الدہریون فی الہند" (ہندوستانی دہریئے) لکھا۔ اس میں سید جمال الدین افغانی نے سر سید اور ان کے ساتھیوں کو، غلط یا صحیح، جس بری طرح لتاڑا اسکی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔ وہ ہندوستان میں اسلامی اعتقادات کو کمزور کرنے کے سلسلے میں انگریزوں کی سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اتفاقاً ہندوستان کا ایک آدمی احمد خاں (سر سید) انگریز سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کی خاطر ان کے محلوں کا طواف کرتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کے سامنے پیش کیا اور اپنے مذہب کو چھوڑنے اور انگریزی مذہب اختیار کرنے کے لئے چند قدم آگے بڑھائے۔ اس نے اپنے کام کی ابتداء ایک تصنیف سے کی جس میں یہ ثابت کیا کہ توریت اور انجیل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس طرح اس نے انگریزوں کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنا چاہا۔ پھر انہیں اور خوش کرنے کے لئے اس نے صراحتاً نصرانی ہونے کا فیصلہ کرلیا لیکن اس معمولی خدمت پر جو تصنیف کی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



صورت میں اس نے ادا کی ہے کوئی قابل قدر معاوضہ ملنے کی توقع بہت کم ہے کیونکہ ایسی کتابیں بہت سے پادری اور مستشرق اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور معدودے چند افراد کے سوا مسلمانوں کو دین سے ہٹانے میں ناکام رہے اس لئے اس نے اپنے انگریز حاکموں کی خوشنودی کی خاطر مسلمانوں کی آواز کمزور کرنے اور ان کے اتفاق کو برباد کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ نیچریوں اور دہریوں کے روپ میں ظاہر ہو کر یہ ثابت کرنے لگا کہ دنیا میں اندھی فطرت اور نیچر کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں۔ وہ اس کھلی گمراہی کا اعلان کرنے لگا کہ اس دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں۔ اس کے خیال میں سارے انبیاء دہری ہی تھے اور اس معبود کے بالکل قائل نہ تھے جس کا ذکر شرائع میں آیا ہے۔ نعوذباللہ اور اس نے اپنا لقب نیچری رکھ لیا۔ اس نے دولت مند طبقہ کے پرجوش لیکن سادہ لوح نوجوانوں کو ابھارنا شروع کیا اور بہت سے نوجوان شریعت کی پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کی تمنا اور حیوانی شہوات سے لذت اٹھانے کے شوق میں اس کے گرد اکھٹے ہو گئے۔ انگریزی حکام کو مسلمانوں کے دلوں میں فساد کا بیج بونے کیلئے یہ طریقہ بہت پسند آیا۔ انہوں نے اس کی عزت و تکریم شروع کر دی اور علی گڑھ میں ایک مدرسہ قائم کرنے میں اس کی مدد کی جس کا نام محمڈن کالج رکھا گیا۔ یہ ایک جال تھا جو مسلمان بچوں کو شکار کر کے "احمد خاں بہادر" کے افکار کے مطابق پرورش کرنے کے لئے پھیلایا گیا"

"......احمد خاں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس میں قرآنی الفاظ کے معانی میں تحریف کر کے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس نے "تہذیب اخلاق" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں صرف وہی مضامین شائع ہوئے جو مسلمانوں کی عقلوں کو گمراہ کرتے اور ان میں تفرق اور دشمنی کے بیج بو لیتے تھے۔"

"...... ہندوستان کے دہری یورپ کے دہریوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یورپ کے دہری مذہب چھوڑ کر بھی ملک اور وطن کی محبت میں سرشار ہیں اور اجنبی حملہ آوروں سے ملک کو بچانے، ملک کو ترقی دینے اور اس کے مخالفین کی دستبرد سے بچانے کی خاطر اپنے بیش قیمت مال و متاع اور اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں مگر احمد خاں اور اس کے ساتھی ایک طرف لوگوں کو دین چھوڑنے پر آمادہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کرتے ہیں اور دوسری طرف دینی اور نسلی حمیت کے آثار کو مٹانے اور اجنبی تسلط کا جواز پیدا کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔" "...... بقول نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، احمد خاں آخری زمانے کا دجال ہے۔" سر سید عام مجلسوں میں جذباتی گفتگو کے ذریعے دوسروں کو قائل کرنی پر نہایت قادر تھے۔ جب یہ فتوے ان کی تعلیمی کاوشوں کی راہ میں مزاحم ہونے لگے تو انہوں نے انہیں اپنی جدوجہد پر اثرانداز ہونے سے بچانے کیلئے تقریروں میں اس قسم کا جذباتی لہجہ اختیار کیا :

"میں فرض کرتا ہوں کہ میں بدعقیدہ ہوں، مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک کافر مرتد آپ کی قوم کی بھلائی پر کوشش کرے تو کیا آپ اس کو اپنا خادم، اپنا خیر خواہ نہ سمجھیں گے ؟ آپ کے لئے دولت سرا بنانے میں جس میں آپ آرام فرماتے ہیں اور آپ کے بچے پرورش پاتے ہیں، آپ کے لئے مسجد بنانے میں جس میں آپ خدائے واحد ذوالجلال کا نام پکارتے ہیں چوہڑے، چمار، قلی، کافر، بت پرست، بدعقیدہ سب مزدوری کرتے ہیں مگر آپ نہ کبھی اس دولت خانہ کے دشمن ہوتے ہیں اور نہ کبھی اس مسجد کے منہدم کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ پس آپ مجھ کو بھی اس مدرسۃ العلوم کے قائم کرنے میں ایک قلی چمار کی مانند تصور کیجئے اور میری محنت اور مشقت سے اپنے لئے گھر بننے دیجئے اور اس وجہ سے کہ اس کا بنانے والا یا اس میں مزدوری کرنے والا ایک قلی چمار ہے اپنے گھر کو مت ڈھایئے۔ کیا آپ صاحب مجھ ایک بدبخت نامہ سیاہ کی شامت اعمال سے اپنی تمام قوم کو اور ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسل ڈبونا اور خراب وخستہ حالت میں ڈالنا چاہتے ہیں ؟ اگر آپ سب صاحب میری حالت کو بدتر جانتے ہو، اسی سے عبرت پکڑو اور برائے خدا اپنی قوم کی اور اپنی اولاد کی بھلائی و بہتری کی فکر کرو۔ اگر مجھ کو بدعقیدہ و کافر اور مرتد جانتے ہو اور میرے ہاتھ سے اس کام کا ہونا ناپسند کرتے ہو، بسم اللہ، میں علیحدہ ہونے پر موجود ہوں۔ کوئی دوسرا شخص کھڑا ہو اور اس تمام کام کو انجام دے۔ چشم ماروشن۔ مگر یہ بات کسی طرح پسندیدہ نہیں ہے کہ نہ آپ کریں اور جو کوئی دوسرا کرے تو اس کو کافر و مرتد بتلائیں"۔

"یاد رکھو کہ میں یہ پیشین گوئی کرتا ہوں کہ اگر اور چند روز تم اسی طرح غافل رہے تو ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تم چاہو گے کہ اپنے بچوں کو تعلیم دو، ان کی تربیت کرو مگر تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مجھ کو کچھ کہو، کافر، ملحد، نیچری، میں تم سے خدا کے سامنے کچھ سفارش نہیں چاہتا۔ میں تم سے اپنی شفاعت کے واسطے خواستگار نہ ہوں گا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تمھارے بچوں کی بہتری کے لئے کہتا ہوں۔ تم انہی پر رحم کرو اور ایسا کچھ کرو کہ آئندہ کو پچھتانا نہ پڑے "۔ اس چپقلش میں دونوں فریقوں کے افراد درپردہ اور بر سر عام ایک دوسرے کو زک دینے کی کوشش کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں "اودھ اخبار لکھنؤ" کے ایڈیٹر کا مراسلہ بنام سر سید ملتا ہے جس پر نام، مقام اور تاریخ درج نہیں بلکہ مرسل الیہ سے یہ درخواست کی گئی کہ "بعد ملاحظہ یہ خط چاک کر دیا جائے" مگر بد قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا اور یہ خط تحریک علی گڑھ کے تاریخی ریکارڈ میں شامل ہو گیا۔ ملاحظہ فرمائیے :"اس ہفتہ منشی (نول کشور) صاحب کان پور تشریف لے گئے تھے۔ ڈپٹی (سید امداد العلی) صاحب بہادر نے ان کو خوب دھمکایا کہ تم نے ایک کرسٹان ایڈیٹر کو نوکر رکھ کے اپنے اخبار کا ناس کر رکھا ہے۔ تمام مضامین سید احمد خاں صاحب کے اس میں بھر دیتا ہے۔ چونکہ منشی صاحب کا مطبع کان پور میں ہے اس واسطے انہوں نے رعایت کے جواب دئے تاہم وہ بہت لال پیلے ہوئے اور مجھ کو اور آپ کو اور اکثر اشخاص کو سخت سست کہا۔ افسوس ہے کہ آج تک تو میں یہی جانتا تھا کہ یہ شخص شاید کسی جوش حمیت ہی پر حضور سے مباحثہ کرنے اور برا بھلا کہنے پر مجبور ہے مگر اب معلوم ہو گیا کہ فقط نفسانیت اور ضد ہے۔ لاحول ولا قوۃ، ایسے بھی مسلمان ہیں۔ ہر چند میرے مکرم مولانا علی بخش خان بہادر بھی متعصب ہیں مگر ایسے ضدی اور مغلوب الغضب نہیں۔ خدا رحم کرے۔ میری رائے ہے کہ کسی جلسہ میں اس شخص کو ایسی زک دی جائے کہ آئندہ یہ شخص اپنی ہٹ دھرمی پر قائل ہو کر مخالفت چھوڑ دے۔ تمام ہندوستان میں میرے نزدیک ان ہی حضرت کی اشتعالک ہے ۔ آگرہ اخبار انہی کا چیلہ ہے۔ میو گزٹ درم ناخریدہ ہے اور اور ذریات بھی اکثر انہی کی تحریک سے مخالفت مدرسۃ العلوم کی اختیار کرتے ہیں، حالانکہ ان کی مخالفت سے کیا ہو سکتا ہے ؟ حضور کو معلوم ہو گا کہ اودھ اخبار کے ایڈیٹر کو کامل آزادی نصیب نہیں ہے اس واسطے اس کے خیالات کا گلا گھٹتا ہے اور جو مضامین باہر سے آتے ہیں ان کو بھی کبھی چھاپنے میں ناکامیاب رہتا ہے۔ منشی صاحب تو آپ کے تہ دل سے معتقد اور پارگاہ سے بخوبی واقف ہیں لیکن تاہم بہت سے آدمی ان کے خیالات



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نیک کو روک دیتے ہیں۔ ہر چند حضور کی ذات مستغنی ہے لیکن اگر مناسب ہو تو کبھی کبھی منشی صاحب مالک مطبع کو بہ ترسیل والا نامہ جات معتقد بنائے رکھئے اور کبھی مناسب ہو تو لکھئے کہ مخالف ہمارا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔" بحث و مباحث کے اس تمام دور میں سر سید کے ساتھیوں کی جانب سے جس شدید رد عمل کا اظہار کیا جاتا رہا اس کے بیان سے قطع نظر خود سر سید علماء کے فتووں کے بارے میں جو کچھ کہتے رہے اس کے چند مختصر نمونے درج ذیل ہیں :

"جو لوگ کہ ہماری تدبیروں کی مخالفت کرتے ہیں وہ پکے دشمن اسلام کے اور مسلمانوں کے ہیں۔ تمام باتیں ان کی ظاہری اور محض جھوٹی ہیں۔ اپنے مطلب پر دہ وہ باتیں کرتے ہیں جو یک ادنیٰ دنیادار بھی نہیں کیا کرتا۔ کیا اس زمانہ کے لوگ واقف نہیں ہیں کہ اپنی غرض پر مولوی ون بسر اور مولوی سین بسر اور مولوی میم بسر اور مولوی عین بسر وغیرہ وغیرہ نے کیا کیا کیا ؟ جو وگ ہماری تکفیر کا فتویٰ دیتے ہیں ذرا ان کو شرم کرنی چاہئیے اور اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہئیے۔ ون سی لمبی پوزیشن کے مولوی صاحب ہیں جن کے حال اور کرتوت سے ہم واقف نہیں ؟"۔ "اسرار اسلام کے سمجھانے والے سب مٹ گئے اور صرف اسلام کا بھجن گا کر روٹی کمانے والے اور پنا دوزخ بھرنے کو تمام دنیا کو دوزخ میں بھیجنے والے باقی رہ گئے جو بہشت کو خاص اپنی جاگیر سمجھتے یں، کفر کے خزانے کے مالک ہیں، اس میں سے ہر ایک کو جتنا جتنا مناسب سمجھتے ہیں، تحفہ دیتے یں"۔ "منبر پر بیٹھ کر دنیا کے ہیچ اور اہل دنیا کے کافر ہونے کا وعظ فرماتے ہیں مگر جب سفید سفید ول گول نذر پیش ہوتی ہے تو جھٹ ہاتھ لمبا کر کے اور ایک عجیب شتر غمزہ سے اٹھا کر جیب بارک میں رکھ لیتے ہیں"۔ "دن رات اس خیال میں مبتلا ہیں کہ مسواک کتنی لمبی اور ازار کتنی اونچی کھنی چاہئیے، نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے ہوں یا چھاتی کے اوپر، آمین آہستہ سے کہی جائے یا ایسے پکار ر جس سے مسجد گونج جائے۔ جب اس سے بھی فارغ ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی تکفیر کے وے لکھنے پر مصروف ہوتے ہیں"۔ "واہ، کیا معتقدین رسول ﷺ کے ہیں کہ جو برائیاں ان میں یں وہ سب پیغمبر ﷺ کی نسبت بھی قیاس کرتے ہیں اور جب ہم ان سے مخالفت کرتے ہیں اور کہتے یں کہ ایسی بدگمانی پیغمبر ﷺ سے مت کرو تو ہمارے زمانہ کے لمبی ڈاڑھی اور اونچے پاجامے والے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہم کو غیر مقلد ائمہ اربعہ اور کافر اور ملحد بتاتے ہیں"۔ "افسوس، صد افسوس! ہمارے ہاں کے مولویوں نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو ایسی لغو اور مہمل کہانیوں میں ڈال دیا ہے اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اس کی تحقیقات کرے اور اس پر غور کیا جائے تو اس کو کافر، لا مذہب، مرتد، عیسائی، حرام خور، مری مرغی کھانے والا بتاتے ہیں"۔

"کٹھ ملاؤں کے اس فتوئ کفر سے کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور معراج سے منکر ہوئے اور شیطان کے وجود کو جیز جداگانہ میں نہ ماننے سے نص قرآنی کا انکار کیا، کچھ ڈرنا نہیں چاہیئے۔ اگلے لوگوں نے جن میں سب کے سر تاج امام حجۃ الاسلام غزالیؒ ہیں اور سب کے آخر میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں ان کی نسبت بھی ان کٹھ ملاؤں نے اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب سے بہت سے کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ ان فتووں سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑا مگر ان کٹھ ملاؤں کی ہنڈیا میں جو تھا وہی ان کے چمچوں میں نکل آیا"۔ "میں ان کے کافر بنانے سے کافر نہیں ہو سکتا۔ تکفیر کے فتوے کچھ نئی بات نہیں ہے۔ کون شخص بزرگان دین میں سے بچا ہوا ہے جس کی تکفیر کے فتوے نہیں ہوئے؟۔ حضرت غوث الاعظمؒ کی تکفیر کے فتوے ہوئے، امام غزالیؒ کافر بنائے گئے، جناب حضرت مجدد الف ثانیؒ کافر قرار دیے گئے اور علماء ہی کے فتوے سے ان کی ریش مبارک نوچی گئی اور گوالیار کے قلعہ میں قید ہوئے۔ اگر میں ان سب بزرگوں کا نام لوں جن پر کفر کے فتوے جاری ہوئے تو غالباً کئی جزو میں بھی ان کی فہرست ختم نہ ہو گی۔ پس جب یہ حال ہے تو میں غریب کسی گنتی میں ہوں؟ مجھ کو اپنی تکفیر کے فتووں کا نہ کچھ ڈر ہے نہ کچھ غم"۔ "میں اول درجے کا چکنا گھڑا ہوں اور گالیاں کھاتے کھاتے بے حیا بن گیا ہوں۔ میں نے آج تک نہ کفر کے فتووں کی اور نہ اخبارات کی تحریروں کی کوئی پرواہ کی ہے"۔ "میں تو بڑے بڑے مولویوں اور جگادریوں کے فتووں پر ملتفت ہوتا ہی نہیں"۔ جدید علوم کی ترویج کی کوششوں پر شدید رد عمل سر سید کے اپنے خیال کے مطابق ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ تھی۔ وہ اپنی ایک تحریر میں بیان کرتے ہیں: "جس قدر مخالفت ہمارے ساتھ لوگوں نے کی اور ہم کو سخت وست برا بھلا کہا، ہم کو دجال اول کا لقب دیا، ہمارے اجداد کو نعوذ باللہ دجال کے اجداد قرار دیا، جن کا کلمہ روز پڑھتے ہیں ان کو معاذ باللہ دجال کا دادا سمجھا،



© rasailojaraid.com

حقیقت میں یہ بہت کم ہوا، جب ہم نے اس کام پر ہاتھ ڈالا تو ہم کو اس سے بھی زیادہ مخالفتوں کا یقین تھا۔"" مدرسہ دیوبند کی سالانہ رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے "مسلمانوں کا جھوٹا دعویٰ دین داری" کے عنوان سے ایک مضمون میں سرسید نے اپنی توقعات کو ان الفاظ میں بیان کیا: "بلاشبہ ان لوگوں سے اس بات کی توقع ہے کہ جب کوئی شخص دلی ہمدردی اور محبت قومی اور حب ایمانی اور خالص عشق اسلامی سے اپنی قوم کی بھلائی میں کھڑا ہو، جسکے خیالات بالضرور ان تاریک خیالات سے مختلف ہوں گے تو اس کی نسبت کفر کے فتوے دینے کو موجود ہوں گے۔ جناب شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی بھی سید احمد کے کفر پر مہر ثبت فرمائیں گے اور مولوی محمد سعد اللہ صاحب بھی تکفیر کے فتووں پر مہریں کریں گے اور اس بات کو بھول جائیں گے کہ ان دونوں صاحبوں نے کیسے کیسے فتووں پر مہریں کی ہیں جس سے سچے مسلمان کا ایمان کانپ جاتا ہے۔ تھوڑی سی دنیا کی توقع میں کس طرح خدا کے احکام کو تحریف کیا ہے! مگر ان بزرگوں کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ ان فتووں سے کیا ہوتا ہے؟ بقول مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے کہ گوز شتر کے برابر بھی کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ پہلے خود تو مسلمان ہولیں جب دوسروں کی تکفیر کریں۔" (دیکھئے "نقش سرسید")

## سلامے یا رسول اللہؐ سلامے

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ بانی نجم المدارس کلاچی

پناہ دوجہاں عرض غلامے سلامے یا رسول اللہؐ سلامے
شنواز شرمسارے تشنہ کامے سلامے یا رسول اللہؐ سلامے
شفیع مذنبیں یک نامرامے سلامے گویدت بل صد سلامے
رہ صد سالہ گردد یکدوگامے شود منظور زو گریک سلامے
دھد جبریل برلبہاش بوسہ فرستد بر روانت چوں سلامے

ندیم خستہ ام شاھی نخواھم
چوں یا بم بردرت شاہا سلامے